اسلامی مملکت کے سربراہ کو کیسا ہونا چاہیے

نورِ سلطانیہ

مفسرِ اعظم پاکستان، شیخ الحدیث والقرآن، پیرِ طریقت، فیضِ ملت

مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی علیہ الرحمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡنَ ﷺ

نوریہ سلطانیہ

مع اضافات موسوم بہ

نورالرحمن فی آداب السلطان

از

فیضِ ملت، امام المناظرین، مُفسرِ اعظم پاکستان، خلیفہ مفتی اعظم ھند

حضرت علامہ الحافظ مفتی ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی محدث بہاولپوری نور اللہ مرقدہٗ

نــوٹ: اگر اس کتاب میں کمپوزنگ کی کوئی بھی غلطی پائیں تو برائے کرم ہمیں مندرجہ ذیل ای میل ایڈریس پر مطلع کریں تاکہ اُس غلطی کو صحیح کرلیا جائے۔ (شکریہ)

admin@faizahmedowaisi.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

دورِحاضرہ ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۵ء تک کی بے راہ روی سے اُمید تو نہیں کہ فقیر کی یہ تحریر کام آسکے لیکن اللہ کریم جل مجدہ کی رحمت سے بھی نا اُمیدی نہیں ممکن ہے کہ کوئی ایسا سربراہ پیدا فرمادے جو اسلامی تحریروں کو پڑھے پھر اس پر عمل کرے ورنہ آج تک کے سربراہ تو الٹا اسلامی کتب کو زہر سمجھ کر ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کرتے چہ جائیکہ اس کا مطالعہ کریں۔ چونکہ اکثر سربراہ بننے والے انگریزوں میں پلتے پڑھتے ہیں ان کی تہذیب وتمدن انہیں شہد سے بھی زیادہ میٹھی لگتی ہے اگرچہ درحقیقت وہ ان کے لئے زہر سے بھی زیادہ قاتل ہے۔ بہرحال فقیر نے اپنے طبعی مشاغل کے خلاف یہ رسالہ لکھ دیا شاید کسی بندۂ خدا کو اس کا پڑھنا نصیب ہو اور وہ سربراۂ مملکت نہ بھی ہو تب بھی اسلامی تحریر کے مطالعہ سے اسے ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم جل شانہٗ بطفیل حبیب کریم، رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم فقیر کی یہ مختصر سی خدمت قبول فرمائے۔ (آمین)

محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہ

۲۸ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ / ۲۸ مئی ۱۹۹۵ء بروز دوشنبہ

بہاولپور۔ پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

امـابـعـد! ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا ہم خوش تھے کہ پاکستان بنے گا تو اسلام کا دور دورہ ہوگا، امن وسلامتی سے بسر اوقات ہوگا لیکن "غلط بود آنچه ما پند اشتیم" پاکستان بنتے ہی اسلام کمزور سے کمزور ہونے لگا، امن وچین کے بجائے عوام میں بدامنی بڑھنے لگی یہ دراصل حکومت کی خرابی تھی۔ طاقت اور دولت حکومت کے ہاتھ میں ہوتی ہے قانون حکومت بناتی ہے، انتظام کے سارے اختیارات حکومت کے قبضہ میں ہوتے ہیں، پولیس اور فوج کا زور حکومت کے پاس ہوتا ہے لہٰذا جو خرابی بھی لوگوں کی زندگی میں پھیلتی ہے وہ یا تو خود حکومت کی پھیلائی ہوتی ہے یا اس کی مدد سے پھیلتی ہے کیونکہ جس چیز کو پھیلنے کے لئے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ حکومت ہی کے پاس ہے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ زنا دھڑلے سے ہو رہا ہے اور اعلانیہ کوٹھوں پر یہ کاروبار جاری ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ حکومت کے اختیارات جن لوگوں کے ہاتھ میں ہیں ان کی نگاہ میں زنا کوئی جرم نہیں ہے وہ خود اس کام کو کرتے ہیں اور دوسروں کو کرنے دیتے ہیں ورنہ وہ اسے بند کرنا چاہیں تو یہ کام اس دھڑلے سے نہیں چل سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سود خوری کا بازار خوب گرم ہو رہا ہے اور مال دار لوگ غریبوں کا خون چوس رہے ہیں یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ حکومت خود سود کھاتی ہے اور کھانے والوں کو مدد دیتی ہے، اس کی عدالتیں سود خوروں کو ڈگریاں دیتی ہیں اور اس کی حمایت ہی کے بل پر یہ بڑے بڑے ساہوکار اور بینک چل رہے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی اور بداخلاقی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے یہ کس لئے؟ محض اس لئے کہ حکومت نے لوگوں کی تعلیم وتربیت کا ایسا ہی انتظام کیا ہے اور اس کے اخلاق اور انسانیت کے وہی نمونے ہیں جو آپ کو نظر آ رہے ہیں۔ کسی دوسرے طرز کی تعلیم وتربیت سے آپ کسی اور نمونے کے انسان تیار کرنا چاہیں تو ذرائع کہاں سے لائیں گے؟ اور تھوڑے بہت تیار کر بھی دیں تو وہ کھپیں گے کہاں؟ رزق کے دروازے اور کھپت کے میدان تو سارے کے سارے بگڑی ہوئی حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بے حد وحساب خونریزی ہو رہی ہے، انسان کا علم اس کی تباہی کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے، انسان کی محنت کے پھل آگ کی نذر کئے جا رہے ہیں اور بیش قیمت جانیں مٹی کے ٹھیکروں سے بھی زیادہ بے دردی کے ساتھ ضائع کی جا رہی ہیں یہ کس وجہ سے؟ صرف اس وجہ سے کہ آدم کی اولاد میں جو لوگ سب سے زیادہ شریر اور بدنفس تھے وہ دنیا کی

قوموں کے رہنما اور اقتدار کی باگ دوڑ کے مالک ہیں۔قوت اُن کے ہاتھ میں ہے اس لئے وہ دنیا کو جدھر چلا رہے ہیں اُسی طرف دنیا چل رہی ہے۔علم، دولت، محنت، جان ہر چیز کا جو مصرف اُنہوں نے تجویز کیا ہے اُسی میں ہر چیز صرف ہورہی ہے۔آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر طرف ظلم ہورہا ہے، کمزور کے لئے کہیں انصاف نہیں، غریب کی زندگی دشوار ہے، عدالتیں بنئے کی دکان بنی ہوئی ہیں جہاں سے صرف روپے کے عوض ہی انصاف خریدا جاسکتا ہے، لوگوں سے بے حساب ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں اور افسروں کی شاہانہ تنخواہوں پر بڑی بڑی عمارتوں پر، لڑائی کے گولہ بارود پر اور ایسی ہی دوسری فضول خرچیوں پر اُڑا دیئے جاتے ہیں۔ساہوکار، زمیندار، راجہ اور رئیس، خطاب یافتہ اور خطاب کے امیدوار عمائدین، گدی نشین پیر اور مہنت (جوگی)، سینما کمپنیوں کے مالک، شراب کے تاجر، فحش کتابیں اور رسالے شائع کرنے والے، جوئے کا کاروبار چلانے والے اور ایسے ہی بہت سے لوگ خلقِ خدا کی جان، مال، عزت، اخلاق ہر چیز تباہ کررہے ہیں اور کوئی اُن کو روکنے والا نہیں یہ سب کیوں ہورہا ہے؟ صرف اس لئے کہ حکومت کُل بگڑی ہوئی ہے، طاقت جن ہاتھوں میں ہے وہ خراب ہیں، وہ خود بھی ظلم کرتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ بھی دیتے ہیں اور جو ظلم بھی ہوتا ہے اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس کے ہونے کے خواہش مند یا کم از کم روادار ہیں۔

ان مثالوں سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ حکومت کی خرابی تمام خرابیوں کی جڑ ہے، لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا، اخلاق کا بگڑنا، انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا، کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے بُرے طور طریق کا رواج پانا، ظلم وستم اور بد افعالیوں کا پھیلنا اور خلقِ خدا کا تباہ ہونا یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس ایک بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہیں۔ظاہر ہے جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی اور جب خلقِ خدا کا رزق انہی کے تصرف میں ہوگا تو وہ نہ صرف خود بگاڑ کو پھیلائیں گے بلکہ بگاڑ کی ہر صورت اُن کی مدد اور حمایت سے پھیلے گی اور جب تک اختیارات ان کے قبضہ میں رہیں گے کسی چیز کی اصلاح نہ ہوسکے گی۔

یہ بات جب آپ کے ذہن نشین ہوگئی تو یہ سمجھنا آپ کے لئے آسان ہے کہ خلقِ خدا کی اصلاح کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستوں سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستے پر لانے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ حکومت کے بگاڑ کو درست کیا جائے۔معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کیا جائے زنا کا بند ہونا محال ہے لیکن اگر حکومت کے اختیارات پر قبضہ کرکے زبردستی زنا کو بند کردیا جائے تو لوگ خود بخود حرام راستے کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اختیار کریں گے۔شراب، سود، رشوت، فحش تماشے، بے حیائی کے

لباس، بداخلاق بنانے والی تعلیم اور ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ وعظوں سے دور کرنا چاہیں تو کامیابی ناممکن ہے البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں دور کی جاسکتی ہیں جو لوگ خلقِ خدا کو لوٹتے اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں ان کو آپ محض پندونصیحت سے چاہیں کہ اپنے فائدوں سے ہاتھ دھولیں تو یہ کسی طرح ممکن نہیں ہاں اقتدار ہاتھ میں لے کر آپ ان کی شرارتوں کا خاتمہ کردیں تو ان ساری خرابیوں کا انسداد ہوسکتا ہے۔اگر آپ چاہیں کہ بندگانِ خدا کی محنت، دولت، ذہانت وقابلیت غلط راستوں میں ضائع ہونے سے بچے اور صحیح راستوں میں صرف ہو، اگر آپ چاہیں کہ ظلم مٹے اور انصاف ہو، اگر آپ چاہیں کہ زمین میں فساد نہ ہو، انسان انسان کا خون نہ چوسے نہ بہائے، دبے اور گرے ہوئے انسان اُٹھائے جائیں اور تمام انسانوں کو یکساں عزت، امن، خوشحالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں تو محض تبلیغ وتلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہوسکتا البتہ حکومت کا زور آپ کے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔پس یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے جس کو سمجھنے کے لئے کچھ بہت زیادہ غوروفکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اصلاحِ خلق کی کوئی اسکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کئے بغیر نہیں چل سکتی جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ وفساد مٹانا چاہتا ہو اور واقعی یہ چاہتا ہو کہ خلقِ خدا کی اصلاح ہو تو اس کے لئے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے اُسے اُٹھنا چاہیے اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کرکے غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیے۔

بندگانِ خدا کی زندگی میں جو خرابیاں پھیلتی ہیں ان کی جڑ حکومت کی خرابی ہے اور اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ اس جڑ کی اصلاح کی جائے مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود حکومت کی خرابی کا بنیادی سبب کیا ہے، اس خرابی کی جڑ کہاں ہے اور اس میں کون سی بنیادی اصلاح کی جائے کہ وہ بُرائیاں پیدا نہ ہوں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خرابی کی جڑ دراصل انسان پر انسان کی حکومت ہے اور اصلاح کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ انسان پر خدا کی حکومت ہو۔اتنے بڑے سوال کا اتنا مختصر سا جواب پاکر آپ تعجب نہ کریں اس سوال کی تحقیق میں جتنا کھوج آپ لگائیں گے یہی جواب آپ کو ملے گا۔

یہ زمین جس پر آپ رہتے ہیں خدا کی بنائی ہوئی ہے یا کسی اور کی، یہ انسان جو زمین پر بستے ہیں ان کو خدا نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے، یہ بے شمار اسبابِ زندگی جن کے بل پر سب انسان جی رہے ہیں انہیں خدا نے مہیا کیا ہے یا کسی اور نے؟ اگر ان سب سوالات کا جواب یہی ہے کہ اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ زمین اور انسان اور یہ تمام سامان خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ملک خدا کا ہے، دولت خدا کی ہے اور رعیت بھی خدا کی ہے۔پھر جب معاملہ یہ

ہے تو آخر کوئی اس کا حقدار کیسے ہو گیا کہ خدا کے ملک میں اپنا حکم چلائے، آخر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ خدا کی رعیت پر خدا کے سوا کسی دوسرے کا قانون یا خود رعیت کا اپنا بنایا ہوا قانون جاری ہو۔ ملک کسی کا ہو اور حکم کسی کا چلے، ملکیت کسی کی ہو اور مالک کوئی دوسرا بن جائے، رعیت کسی کی ہو اور اس پر فرمانروائی دوسرا کرے یہ بات آپ کی عقل کیسے تسلیم کر سکتی ہے ایسا ہونا تو صریح حق کے خلاف ہے اور چونکہ یہ حق کے خلاف ہے اس لئے جہاں کہیں اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے نتیجہ بُرا ہی نکلتا ہے جن انسانوں کے ہاتھ میں قانون بنانے اور حکم چلانے کے اختیارات آتے ہیں وہ کچھ تو اپنی جہالت کی وجہ سے مجبوراً غلطیاں کرتے ہیں اور کچھ اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے قصداً ظلم اور بے انصافی کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں کیونکہ اول تو ان کے پاس اتنا علم نہیں ہوتا کہ انسانی معاملات کو چلانے کے لئے صحیح قاعدے اور قانون بنا سکیں اور پھر اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ خدا کے خوف اور خدا کے سامنے جواب دہی سے غافل ہو کر لامحالہ وہ شتر بے مہار بن جاتے ہیں۔ ذرا سی عقل اس بات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ جو انسان خدا سے بے خوف ہو جسے یہ فکر ہو ہی نہیں کہ کسی کو حساب دینا ہے جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہا ہو کوئی بھی نہیں جو مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والا ہو وہ طاقت اور اختیارات پا کر شتر بے مہار نہ ہو گا تو اور کیا ہو گا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص کے ہاتھ میں جب لوگوں کے رزق کی کنجیاں ہوں، جب لوگوں کی جانیں اور ان کے مال اس کی مٹھی میں ہوں، جب ہزاروں لاکھوں سر اس کے حکم کے آگے جھک رہے ہوں تو کیا وہ راستی اور انصاف پر قائم رہ سکے گا؟ کیا آپ توقع کرتے ہیں کہ وہ خزانوں کا امین ثابت ہو گا؟ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ وہ حق مارنے، حرام کھانے اور بندگانِ خدا کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے سے باز رہے گا؟ کیا آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایسا شخص خود بھی سیدھے راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی سیدھی راہ چلائے؟ ہرگز نہیں! ہرگز ہرگز نہیں ایسا ہونا عقل کے خلاف ہے۔ ہزار ہا برس کا تجربہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ آج آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ خدا سے بے خوف اور آخرت کی جواب دہی سے غافل ہیں وہ اختیارات پا کر کس قدر ظالم، خائن اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا حکومت کی بنیاد میں جس اصلاح کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان پر انسان کی حکومت نہ ہو بلکہ خدا کی حکومت ہو۔ اس حکومت کو چلانے والے خود مالک الملک نہ بنیں بلکہ خدا کو بادشاہ تسلیم کر کے اس کے نائب اور امین کی حیثیت سے کام کریں اور یہ سمجھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں کہ آخر کار اس امانت کا حساب اس بادشاہ کو دینا ہے جو کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے۔ قانون اس خدا کی ہدایت پر مبنی ہو جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے اور دانائی کا سرچشمہ ہے۔ اُس قانون کو بدلنے یا اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے کے اختیارات کسی کو نہ ہوں تا کہ وہ انسانوں کی جہالت یا خودغرضی اور ناروا خواہشات

کے دخل پا جانے سے بگڑ نہ جائیں۔

یہی وہ بنیادی اصلاح ہے جس کو اسلام جاری کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خدا کو اپنا بادشاہ (محض خیالی نہیں بلکہ واقعی بادشاہ) تسلیم کرلیں اور اس قانون پر جو خدا نے اپنے نبی کے ذریعے سے بھیجا ہے ایمان لے آئیں اُن سے اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کے ملک میں اس کا قانون جاری کرنے کے لئے اُٹھیں، اس کی رعیت میں سے جو لوگ باغی ہوگئے ہیں اور خود مالک الملک بن بیٹھے ہیں اُن کا زور توڑ دیں اور اللہ کی رعیت کو دوسروں کی رعیت بننے سے بچائیں۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ تم نے خدا کو خدا اور اس کے قانون کو قانونِ برحق مان لیا نہیں اس کو ماننے کے ساتھ ہی یہ فرض تم پر عائد ہوجاتا ہے کہ جہاں بھی تم ہو جس سرزمین میں بھی تمہاری سکونت ہو وہاں خلقِ خدا کی اصلاح کے لئے اُٹھو، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو، ناخدا ترس اور شتر بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرمانروائی کا اقتدار چھین لو۔ بندگانِ خدا کی رہنمائی وسربراہ کاری اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے مطابق آخرت کی ذمہ داری وجواب دہی کا اور خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے ہوئے حکومت کے معاملات انجام دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی حرام چیزوں کو حلال گرداننے والے، خدا کے عہد کو توڑنے والے، رسول اللہ کی سنت کی خلاف ورزی کرنے والے، گناہ اور زیادتی کے ساتھ خدا کے بندوں پر حکومت کرنے والے ظالم حکمران کو پائے اور پھر نہ اپنے عمل کی طاقت سے اس کو بدلے نہ قول کی طاقت سے تو اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ اُسے بھی وہیں بھیجے جہاں اس ظالم حکمران کو بھیجے گا۔

تمهيد

شیخ عبدالحق محدث دہلوی سولھویں/سترہویں صدی کے عظیم محدث، دینیات کے ماہر اور بلند پایہ سوانح نگار گزرے ہیں۔ ان کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں اور کئی یورپی اور ایشیائی لائبریریوں میں پڑی ہیں اور ابھی تک چھپ نہیں سکیں۔ رسالہ نوریہ سلطانیہ شیخ صاحب نے مغلیہ تاجدار نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی کے استفادہ کے لئے تحریر فرمایا اور اسی رعایت سے یہ رسالہ نوریہ سلطانیہ کہلایا۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق یہ محدثین اور علمائے اسلام کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ اسلامی حکومت کو خوش اسلوبی سے چلانے کے لئے وقتاً فوقتاً حکمرانوں کو مشورے دیتے رہیں۔ یہ مشورے اسلامی قانون کے تابع ضرور ہونے چاہیے مگر ان میں تمثیلات کے لئے اسلامی تاریخ سے باہر بھی جایا جا سکتا ہے چونکہ اسلام میں

سیاست مذہب سے جدا سے نہیں لہٰذا مسلم سوسائٹی کو چلانے کے لئے ان کے نزدیک سیاست اور حکمرانی کے آداب کی نشاندہی ضروری ہوجاتی ہے۔

مذکورہ رسالے کا جہانگیر بادشاہ پر کیا اثر ہوا یہ ان اقدامات سے ظاہر ہے جو وہ اسلام کی پشت پناہی اور شرع محمدی کے نفاذ کے سلسلے میں عمل میں لایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس ضمن میں اس نے کئی ضابطے تعزیراتِ ہند میں شامل کئے وہ اپنی توزک جہانگیری میں لکھتا ہے کہ میں نے اپنے جاگیرداروں کو تاکید کی ہے کہ وہ راستوں پر مسجدیں اور عالی شان سرائیں تعمیر کریں، شراب کشید نہ کی جائے اور نہ اسے فروخت کیا جائے، سزا کے طور پر کسی کے ناک اور کان نہ کاٹے جائیں، سکّے ضرب کئے جائیں تو ان پر سن ضرب اور ٹکسال شہر کے نام کے ساتھ کلمہ طیبہ بھی کندہ کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زنجیرِ عدل کا آویزاں کئے جانا بھی اسی رسالہ کی بناء پر ہوا۔ شیخ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے کہ بعض سلاطین نے اپنی خوابگاہ میں مظلوموں کی دادرسی اور حاجت روائی کے لئے زنجیر آویزاں کررکھی تھی کہ بادشاہ تک فریادی کی براہ راست رسائی ہوجائے اور اس کو جلد انصاف مہیا ہوجائے چنانچہ جہانگیر نے بھی قلعہ آگرہ میں ایک ایسی ہی سونے کی زنجیر بندھوانے کا بندوبست کیا۔ اس زنجیر کا تذکرہ اس نے خود بھی اپنی توزک میں کیا ہے۔ یہ ''زنجیرِ عدل'' تیس گز لمبی اور چودہ من وزنی سونے کی تھی اس میں ساٹھ گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں اس کا ایک سرا آگرہ کے شاہ برج کے ساتھ بندھا ہوا تھا جس میں بادشاہ کی خوابگاہ تھی اور دوسرا سرا دریائے جمنا کے کنارے ایک پتھر کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔

رسالہ نوریہ ارکانِ حکمرانی کے پانچ ابواب پر مشتمل ہے جن میں آخری باب کچھ حکایتوں پر مبنی ہے جو گذشتہ سلاطین کے عدل وعفو، حلم وکرم، احسان وقوت اور شجاعت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض بڑی دلچسپ ہیں ان میں چند ایک یہاں درج کی جاتی ہیں انہی کے مناسب چند دیگر بھی عرض کریگا۔ اپنے دور کی مناسبت سے اس اضافہ پر اس کا نام رکھا ''نورالرحمن فی آداب السلطان''

حکایات

(۱) **نجاشی اور پاسِ عہد**:۔ کہتے ہیں نجاشی بڑا عادل بادشاہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (نبوت) کے وقت وہ حبشہ کا حکمران تھا۔ اس علم کی وجہ سے جو اسے توریت وانجیل کے مطالعہ سے حاصل ہوا تھا وہ حضور کی نبوت کا قائل ہوکر دل سے مسلمان ہوچکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان رکھتا تھا اور ہدیہ ارسال کیا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مکے والے جب مسلمانوں کو تنگ کرنے لگے تو اصحابِ کرام اسی کے پاس پہلی ہجرت کر کے گئے

بیان کرتے ہیں کہ نجاشی کا باپ بھی حبشہ کا بادشاہ تھا اور نجاشی اس کا اکلوتا بیٹا تھا نجاشی کے باپ کا ایک بھائی تھا جس کے بارہ بیٹے تھے۔حبشہ والوں نے یہ جان کر کہ اگر نجاشی کا باپ مرگیا تو سلطنت اس کے اکلوتے بیٹے کو منتقل ہو کر خطرے میں پڑ جائے گی اور ہوسکتا ہے کوئی بیرونی حملہ آور حکومت پر قبضہ کرے اور حکومت حبشہ والوں کے ہاتھ سے نکل جائے۔انہوں نے خیال کیا کہ نجاشی کے چچا کے تو بارہ بیٹے ہیں حکومت ایک دوسرے کو منتقل ہو کر حبشہ میں تو رہے گی اور کوئی باہر والا تو نہ لے جائے گا اس بناء پر انہوں نے نجاشی کے باپ کو قتل کر دیا اور اس کے چچا کو تخت پر بٹھا دیا۔نجاشی کے چچازاد بھائی سب نالائق تھے لہٰذا چچا نے نجاشی کو ہی اپنا مقرب بنالیا اور اس سے کام لینے لگا اس پر حبشہ کے بادشاہ گر پھر نجاشی کے چچا کے پاس گئے اور اسے کہا کہ دیکھو ہم نے نجاشی کے باپ کو قتل کیا ہے اور تم کو بادشاہ بنایا ہے مگر تم نے نجاشی کو اپنا معتمد اور صلاح کار بنالیا ہے۔ظاہر ہے کہ جب بھی نجاشی کو موقع ہاتھ آیا وہ اپنے باپ کے انتظام میں ہمیں ضرور مروا ڈالے گا۔اس لئے تم نجاشی کو بھی مار ڈالو کہ ہماری موت کا خطرہ ٹل جائے۔اس پر نجاشی کا چچا گویا ہوا کہ اے لوگوں یہ ٹھیک نہیں کہ ابھی کل نجاشی کا باپ قتل ہوا اور آج میں اسے بھی مروا ڈالوں۔میرا مشورہ ہے کہ تم اسے تاجروں کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالو وہ اسے حبشہ کی قلمرو سے دور لے جائیں گے اور تمہارا خطرہ ٹل جائے گا چنانچہ اہل حبشہ نے نجاشی کو چھ سو درہم میں فرخت کر دیا۔تاجروں نے رختِ سفر باندھا اور کشتی پر بٹھا کر بیرونِ حبشہ لے جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔اتنے میں آسمان پر بادل چھا گئے اور زوردار بارش ہونے لگی۔تاجروں کو لامحالہ رکنا پڑا اسی اثناء نجاشی کا چچا سیر و تفریح کے لئے جب محل سے باہر آیا تو ناگہانی طور پر اس پر آسمانی بجلی ٹوٹ پڑی اور وہ ایک ہی ساعت میں جل کر راکھ ہو گیا۔حبشہ کے بادشاہ گروں نے جب مرنے والے بادشاہ کے بیٹوں میں کوئی جوہر قابل نہ پایا تو ضرورت کے تحت انہیں مجبور ہو کر تاجِ شاہی نجاشی کے سر پر ہی رکھنا پڑا اور اس طرح سے نجاشی بادشاہ بن گیا۔تاجروں نے جب اس طرح سے اپنے غلام کی خریداری پر صرف کی ہوئی رقم ڈوبتی دیکھی تو بادشاہ گروں سے رقم کے طالب ہوئے ان کی لیت و لعل (ٹال مٹول) پر وہ بادشاہ نجاشی کے روبرو پیش ہو گئے اور کہا حضور ان لوگوں نے کل ہمیں ایک غلام چھ سو صدرہم میں فروخت کیا۔رات کو وہ غلام ہم سے واپس لے گئے آج یہ لوگ نہ ہماری رقم واپس دیتے ہیں اور نہ ہی غلام کو لوٹاتے ہیں ہماری دادرسی کی جائے۔مقدمہ سننے کے بعد نجاشی نے فیصلہ دیا کہ تاجروں کو یہ لوگ فوری طور پر رقم واپس کریں بصورتِ دیگر غلام واپس لوٹانے کا بندوبست کیا جائے چاہے وہ غلام اس وقت تخت شاہی پر ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔جب اہل حبشہ نے نجاشی کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو رقم دینے پر مجبور ہو گئے۔

(یہ حکایت امہات المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے سیرۃ ابن ہشام سے شیخ محدث نے لی ہے)

(۲) **حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقویٰ** :۔عید قریب آ رہی تھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیت المال کے خازن علی ابن ابی رافع سے کہلوایا سنتی ہوں کہ بیت المال میں ایک نہایت قیمتی ہار موجود ہے کیا آپ اسے صرف عید کے دن کے لئے مجھے عنایت فرما سکتے ہیں؟ میں عید کے دوسرے ہی دن اسے واپس کردوں گی۔ خازن نے یہ ہار بھیج دیا اور اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عید کے دن اسے پہن لیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس ہار پر نظر پڑی تو آپ نے حیرت سے فرمایا ام کلثوم یہ ہار کہاں سے ملا؟ ام کلثوم نے سارا حال سچ سچ بیان کردیا۔ آپ نے اُسی وقت وہ ہار اپنی بیٹی کے گلے سے اتارلیا اور خازن کو بلاکر بہت ڈانٹا اور فرمایا خدا کی قسم! اگر ام کلثوم یہ ثابت نہ کرسکتیں کہ اس نے یہ ہار عاریتاً لیا ہے تو میں اس کا ہاتھ کٹوا دیتا اور بنو ہاشم کی خواتین میں یہ پہلی چوری ہوتی۔ (سیرتِ علی)

فائدہ:۔ایسا تقویٰ آج کل کے حکمرانوں میں پیدا ہو جائے خدا کرے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو پوچھا کہ بچہ کیوں روتا ہے۔ جواب ملا کہ اس کا دودھ چھڑا دیا گیا ہے تا کہ حکومت سے وظیفہ ملے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لرز گئے اور اسی دن سے پیدائش کے ساتھ وظیفہ دینے کا فرمان جاری کردیا تا کہ والدین کو دودھ چھڑانے کی زحمت نہ ہو اور بچے خوب پرورش پائیں۔

فائدہ:۔رعایا سے اس طرح کا برتاؤ کا جذبہ ہو تو پھر ملک کا حال کتنا بلند ہوگا۔

(۴) **مامون الرشید اور شورستان کا اعرابی** :۔خلیفہ مامون الرشید عباسی خلفاء میں بڑا قابل خلیفہ گزرا ہے۔ اس کے عہد میں ایک اعرابی تھا اس اعرابی کا گھر ایسے علاقے میں تھا جو بہت شور زدہ تھا۔ وہاں کھارے پانی کا صرف ایک ہی چشمہ بہتا تھا اس سرزمین میں شور کا یہ عالم تھا کہ اگر وہاں بارش بھی ہوتی تھی تو اس کا پانی بھی زمین کے اثر سے شور پکڑ لیتا تھا۔ ایک دفعہ وہاں پانی کی ایسی قلت ہوئی کہ قحط پڑ گیا، لوگ بھوکوں مرنے لگے اور گھر بار چھوڑنے لگے۔ ایک اعرابی بھی پریشان ہوکر نقل مکانی پر مجبور ہوگیا اس نے دارالخلافہ بغداد کی طرف رختِ سفر باندھا کہ خلیفہ سے اس ضمن میں مدد حاصل کرے چلتے چلتے وہ اپنے شورستان کی حدود سے باہر نکل آیا اور ایک ایسے گاؤں میں پہنچ گیا جس میں بارش کا صاف ستھرا پانی ایک مصفا تالاب میں جمع تھا۔ وہاں کی زرخیز زمین نے اس پانی کو صاف اور شیریں بنادیا تھا شور زدہ علاقہ سے آئے ہوئے اعرابی نے جب اس پانی کو پیا تو اسے وہ نہایت شیریں اور مزے دار معلوم ہوا کیونکہ اس نے کبھی میٹھا پانی نہ چکھا تھا اس لئے وہ سمجھا کہ ہو نہ ہو یہ پانی ضرور بہشت کا پانی ہے کیوں نہ اسے تحفے کے طور پر خلیفہ کے

پاس لے جاؤں اس نے بھی شاید کبھی بہشت کا پانی نہ پیا ہو۔خلیفہ بہشت کا پانی پا کر بہت خوش ہوگا اور ہماری حاجت روائی کریگا چنانچہ اعرابی نے اپنا مشکیزہ اس میٹھے پانی سے بھرلیا اور بغداد کی راہ لی ۔ کچھ دور جا کر اسے پتہ چلا کہ خلیفہ علاقے سے آگے شکار کو آیا ہوا ہے۔اعرابی وہاں خلیفہ کو جا ملا اور کہا حضور میں آپ کے لئے بہشت کا پانی لایا ہوں ٹھنڈا اور میٹھا شاید اس سے پہلے آپ نے ایسا پانی کبھی نہ پیا ہو۔خلیفہ مامون نے پانی پیا اور اعرابی کا اس تحفہ کے لئے شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی اسے اپنی حاجت بیان کرنے کو کہا۔اعرابی نے شورستان اور اس کے قحط کی تمام کہانی کہہ سنائی۔خلیفہ نے کہا اے اعرابی میں تیری تمام حاجتیں پوری کردوں گا مگر شرط یہ ہے کہ تمہیں یہیں سے اپنے وطن لوٹ جانا ہوگا۔اعرابی مان گیا خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کا پانی محل میں پہنچا دیا جائے اور مشکیزہ زرو جواہر سے بھر کر اس کے حوالے کردیا جائے تا کہ شورستان کے مسائل حل ہوسکیں۔اس پر اعرابی خوشی خوشی وہاں سے اپنے صحرائی علاقے کو واپس چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد خلیفہ کے امیر، وزیروں نے پوچھا کہ حضور آپ نے اعرابی کو آگے کیوں نہیں جانے دیا اور یہیں سے واپس کیوں بھیج دیا۔خلیفہ بولا اس شخص نے کبھی میٹھا پانی نہیں پیا تھا اگر میں اس کو آگے جانے دیتا تو وہاں میٹھے پانی کا دریائے فرات بہہ رہا تھا۔لبِ دریا پہنچ کر جب اسے یہاں کے میٹھے پانی کی فروانی کا علم ہوتا تو اسے اپنے تحفے پر ندامت ہوتی اور وہ شرم سے ڈوب مرتا، پھر میرے لئے بھی یہ بات باعث شرم ہوتی کہ ایک شخص میرے لئے تحفہ لایا اور میں نے اسے شرمندہ کیا۔

(یہ حکایت شیخ صاحب نے مصیبت نامہ عطار و جوامع الحکایات عوفی سے لی ہے)

(۵) **خسرو پرویز کا زیرِ عتاب حاجب** :۔خسرو پرویز ساسانی بادشاہوں میں نوشیرواں کے بعد بہت مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ایک دفعہ وہ اپنے ایک حاجب سے ناراض ہوگیا۔اسے تباہ و برباد کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ حاجب بڑی مدت قید میں رہا اور جب وہاں سے رہا ہوا تو نہ اس کے پاس مال تھا اور نہ تندرستی۔ بیچارہ دردر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا ایک روز اسے معلوم ہوا کہ پرویز نے ایک نیا عالی شان محل تعمیر کیا ہے اور اس کے افتتاح کے موقع پر اس میں جشن اور محفل ناؤ نوش منعقد ہوگی ۔ حاجب نے اس میں شرکت کے لئے لباسِ فاخرہ اور گھوڑا اپنے پرانے دوستوں سے مستعار (ادھار) لیا اور بن ٹھن کر اس مجلس شاہی میں پہنچ گیا۔دربانوں اور حاجبوں نے یہ سمجھ کر کہ بادشاہ نے ضرور اسے معاف کردیا ہوگا ورنہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر اسے ایسی محفل میں شرکت کی کیسے جراءت ہوسکتی تھی۔خاموش رہے اور اس سے کوئی باز پرس نہ کی۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے آیا تو بادشاہ کو بھی جس نے شراب پی رکھی تھی اس کی بے ادبی پر بہت غصہ آیا مگر موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر کہ محفلِ عشرت میں بدمزگی پیدا نہ ہو بادشاہ نے چشم پوشی کی اور خاموش رہا۔اس پر

حاجب اور کھل گیا اور محفل کے مشاغل میں مصروف ہوگیا۔ جب وہاں سے کچھ فرصت ملی تو اس نے وہاں سے سونے کی ایک سینی اُٹھائی اس سینی کا وزن ہزار مثقال کے برابر تھا اس سینی کو اس نے اپنے لباس میں چھپایا اور قصر سلطانی سے باہر آیا اور گھر پہنچ گیا۔ شاہ پرویز یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور خاموش رہا۔ حاجب نے اس طلائی سینی کو توڑا اور فروخت کر کے خوشحال ہوگیا۔

ادھر محل میں سینی کے گم ہونے کا کھوج لگایا جانے لگا اور مورِدِ الزام افراد پر تشدد کے منصوبے بننے لگے مگر بادشاہ نے منع کردیا۔ جب اس واقعہ کو ایک سال گزر گیا تو پرویز بادشاہ نے اس پر پھر جشن منانے کا اہتمام کیا۔ جب جشن منعقد ہوا تو راندۂ درگاہ حاجب پھر وہاں اپنے لباس اور اپنے گھوڑے پر پہنچ کر شریکِ محفل ہوگیا۔ ایک بار جب حاجب خسرو پرویز کے پاس سے گزرا تو بادشاہ نے اس کے کان میں آہستہ سے کہا کہ کیوں بھائی کیا وہ طلائی سینی تمام خرچ ہوگئی؟ اس پر حاجب بادشاہ کے قدموں میں گر پڑا اور کہا حضور میں آپ کے عتاب اور سختیوں سے اس قدر تنگ آگیا تھا کہ کسی بہانے آپ کے حکم سے مرنا چاہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ آپ میری گستاخی اور بے ادبی کی وجہ سے مجھے جلد مروادیں گے اور میری خلاصی ہوجائے گی مگر آپ نے عفو اور درگزر سے کام لیا۔ بادشاہ نے اس پر اس کی تمام خطائیں معاف کردیں اور اسے انعام واکرام سے نوازدیا۔

(یہ حکایت بھی صاحب رسالہ نوریہ نے جوامع الحکایات عوفی سے لی ہے)

(۶) **سلطان ملک شاہ سلجوقی قصر فرعون میں** :۔ سلطان ملک شاہ ابن الپ ارسلان سلجوقی اپنے باپ کی وفات کے بعد باوجود اپنے بڑے بھائیوں کی موجودگی کے اپنے وزیر نظام الملک کی کوشش سے تخت نشین ہوا۔ اس کی بادشاہت کا زمانہ دولت کی فراوانی اور رعایا کی خوشحالی کا زمانہ تھا۔ کہتے ہیں جب وہ حج کو گیا تو راستے میں خیرات کے طور پر زر و جواہر لٹاتا گیا۔ اس نے عراق کے محصول کا تعین کیا اس سے قبل کئی جگہوں پر حاجیوں سے سات مثقال زر سرخ وصول کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے حاجیوں کی سہولت کے لئے راستے میں کئی مسجدیں اور سرائیں تعمیر کروائیں۔ اپنی قلمرد کے معائنہ کے لئے اس نے کئی سفر بھی اختیار کئے۔ اس کی سلطنت خاصی وسیع تھی اور عرب وعجم اور مشرق ومغرب کے کئی ممالک اس میں شامل تھے۔ کہتے ہیں جب وہ مصر پہنچا تو قصر فرعون میں آیا وہاں اس نے وضو کیا اور دوگانہ ادا کرنے کے لئے جب سجدہ میں گیا تو اس نے کہا اے خداوندا اپنے ایک بندے کو جب تو نے ملک مصر دیا تو اس نے ''میں خدا ہوں'' کہہ کر خدائی کا دعویٰ کردیا مگر اے میرے خدا اس عاجز وضعیف بندے کو تو نے ممالک شرق و غرب عطا فرمائے ہیں وہ اس زمین کی خاک پر اپنا منہ رکھ کر سبحان ربی الاعلیٰ پکار رہا ہے لہٰذا تو اپنے فضل وکرم سے اس

ناچیز پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔اس کے بعد اس نے اپنا سر سجدے سے اُٹھایا اور روانہ ہوگیا اور شہر مصر میں نہیں آیا۔

(۷) **ملک شاہ اور قیصرِروم** :۔ملک شاہ سلجوقی نے جب اپنی قلمرو (سلطنت) کے دورے شروع کئے تو قیصر روم اس کی مخالفت پر اتر آیا اس پر ملک شاہ جنگ کرنے کے لئے افواج قیصرِ روم کے بالمقابل لے آیا۔ایک روز وہ اپنی لشکر گاہ سے اپنے چند غلاموں کے ساتھ شکار کو نکلا تو غلطی سے رومیوں کے درمیان آ کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ گرفتار ہوگیا۔جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ دیکھو میرے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ کرنا اور بالکل اپنے جیسا ظاہر ہونے دینا کیونکہ اگر رومیوں نے میری شناخت کر لی تو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔جب ملک شاہ کے وزیر باتدبیر نظام الملک کو پتہ چلا تو اس نے چند غلام لے کر شاہی خیمے میں محبوس کر دیئے کہ بادشاہ کی قید کا راز فاش نہ ہو جائے اور نمازِ شام کا انتظام سوار ہو کر ہی ادا کرنے کا اہتمام کیا۔بادشاہ کے خیمے کے گرد انتظامات پکے کر دیئے گئے اور دشمن پر دھاوا بولنے کا ڈرامہ رچایا، آوازیں لگائی گئیں کہ بادشاہ پہنچ گیا ہے تیار ہو جاؤ۔نظام الملک خود قاعدے کے بمطابق بطورِ ایلچی قیصر روم کی طرف بڑھا کہ اعلانِ جنگ سے خبردار کرے جب قیصر روم کو بتایا گیا کہ نظام الملک پیغام لے کر آ رہا ہے تو اس نے بڑی تعظیم وتکریم کی اور اپنی جگہ سے پیش قدمی کے لئے نکل آیا اور گویا ہوا''ملک شاہ جوان مگر بچہ ہے یہ کام جو وہ کر رہا ہے بچکانہ ہے تم اسے منع کرو'' قیصر نے اس سے صلح کرنے کو بھی کہا نظام الملک نے وقتی طور پر ہاں کر دی۔قیصر روم نے اسے بتایا کہ میرے لشکریوں نے کچھ تمہارے آدمیوں کو گرفتار کیا ہوا ہے وہ کون ہیں۔نظام الملک نے کہا کچھ کمبخت غلام ہوں گے جن کا ہمیں پتہ نہیں چلا۔قیصر نے ان کو نظام الملک کے سپرد کر دیا۔نظام الملک نے قیصرِ روم کے روبرو انہیں برا بھلا کہا اور تلخ کلامی کی۔یہ بھی کہا تمہیں معلوم نہیں کہ ایامِ جنگ میں شکار نہیں کھیلا جاتا اور مزید بُرا بھلا کہہ کر اپنے ہم رکاب کر لیا۔نظام الملک جب قیصر کے لشکر سے باہر آ گیا تو اس نے تیزی سے آ کے سلطان کی رکاب کو بوسہ دیا اور کہا کہ اگر میں ایسے نہ کرتا تو حضور کی رہائی مشکل تھی یعنی برا بھلا کہنے پر معذرت خواہ ہوا سلطان اس کا مشکور ہوا اور اس کو انعام واکرام سے نوازا۔

جب سلطان لشکر میں واپس آیا تو اس نے قیصر سے گھمسان کی جنگ لڑی۔قیصر گرفتار ہوگیا اور اس کے سامنے پیش ہوا۔قیصر روم نے سلطان ملک شاہ کو پہچان لیا ملک شاہ کے حاجب نے قیصر سے کہا کہ تو سلطان کے آگے تعظیم بجالا اس نے سر جھکا لیا اور ایسا نہ کیا اور کہا کہ سلطان بادشاہ ہے تو میں بھی بادشاہ ہوں۔اگر وہ جوان ہے تو میں بھی جوان ہوں اور جب وہ تعظیم کرنے اور زمین بوس ہونے سے گریزاں ہوا تو اس کو کہا گیا کہ جو وہ کہنا چاہتا ہے کہے۔اس پر وہ بولا کیا کہوں

اور سلطان ملک شاہ کی طرف منہ کرکے گویا ہوا اگر تو بادشاہ ہے تو بخش دے اگر بیوپاری ہے تو فروخت کرکے دام وصول کرلے اور اگر قصاب ہے تو مار دے۔ سلطان ملک شاہ بولا کہ میں بادشاہ ہوں تاجر یا قصاب نہیں ہوں پھر اس کو امان دے دی۔ اس کے شایانِ شان لباس لاکر اسے پہنایا گیا اور اسے اپنے پہلو میں بٹھا کر کہا تم سے میں نے جنگ اس لئے کی کہ تجھے اپنی کمزوری اور میری طاقت کا علم ہو جائے اور اب تجھے امان اس لئے دی ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے مہربانی اور قہر دونوں پر قدرت رکھتا ہوں۔

(حکایت ہذا جناب محدث نے تاریخ گزیدہ وجوامع الحکایات فی عوفی سے لی ہے)

(۸)**اکبر بادشاہ کی بے راہ روی**:۔ ملا عبدالقادر شہنشاہ اکبر کے دور میں دربار سے وابستہ تھے۔ بادشاہ کی بے راہ روی اور اسلامی دشمنی کے باوجود ایمان پر قائم رہے۔ اسی سبب انہیں تضحیک و استہزاء (ہنسی مذاق) کا نشانہ بنایا گیا ،ملا دو پیازہ کہا گیا، ان کی ''حماقت'' اور بیربل جیسے احمق اور ابن الوقت کی ''عقلمندی'' کے لطیفے بنا کر مشہور کئے گئے۔

ملا عبدالقادر اپنی تصنیف ''منتخب التواریخ'' میں لکھتے ہیں جب کراولیٰ میں منزل ہوئی تو خواجہ عبید الشہید سمرقند کے سفر کا ارادہ کرکے رخصت ہوئے۔ انہوں نے اکبر کی کمر میں اپنے ہاتھ سے تلوار باندھ کر دوبارہ مرزا اشرف الدین حسین کی رہائی کے لئے کہا مگر اکبر نہ مانا تب انہوں نے بہت رنجیدہ ہو کر فرمایا میں اور کیا کہوں تمہارا یہ کام امن وامان ملک کے لئے بہت مضر (نقصان دہ) ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے یہی درخواست کی ہے کہ تمہاری نعمت ایمان سلب کرلے۔

''راجا بیربل'' ابوالفضل اور حکیم ابوالفتح نے مل کر اکبر کو ملحد محض کر دیا چنانچہ وہ وحی، نبوت، معجزہ اور کرامت کا مطلق منکر ہوگا۔ صحابہ کی نسبت اس کا عقیدہ فاسد تر ہوتا گیا، نماز، روزہ اور سنت کے اعمال کو اس نے تقلید کہنا شروع کردیا یعنی یہ غیر معقول اور تحقیق کے خلاف ہیں۔ اسی زمانہ میں فرنگیوں کی آمد شروع ہوگئی اکبر نے بعض اعتقادات ان سے بھی اخذ کئے۔

ایک وہ دور تھا کہ جب سلطان خواجہ حج کے لئے رخصت ہونے لگا تو اکبر احرام والوں کی صورت بنا کر ننگے سر اور ننگے پاؤں اور کسی قدر سر کے بالوں کا قصر (کمی) کرکے چند قدم بطورِ مشیعت اس کے ساتھ گیا اور اس نے حکم عام کردیا کہ جس کا جی چاہے حج کو جائے زادِ راہ سرکاری خزانہ سے ملے گا۔ اس کے برخلاف اب یہ حال ہے کہ جو کوئی سفرِ حج کے لئے رخصت مانگتا ہے واجب القتل ٹھہرتا ہے۔

بادشاہ عبادت خانہ میں عالموں اور مشائخ سے محبت رکھتا تھا ہر جمعہ کی شب تمام رات جاگتا۔ علماء باہم مباحثہ میں ایک دوسرے کو کافر کہہ دیتے اس سے اصل اصول میں خلل پڑنے لگا بے دین مفسدوں نے موقع پا کر شبہات باطل پیش کرنا شروع کردیئے مفسدوں کے شکوک نے اسے حیرت میں ڈال دیا پانچ چھ برس بعد مطلق (بالکل) اسلام کا اثر نہ رہا۔

جس مذہب کی بات اسے پسند آجاتی وہی اختیار کر لیتا۔لڑکپن سے بڑھاپے تک اس کے اعتقادات بدلتے رہے۔اس کے اعتقادات میں گمراہی آگئی۔شریعت سے منکر ہوگیا، تناسخ (روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں جانا) کا قائل ہوگیا، سب سے زیادہ برہمن لوگ خلوت وجلوت (تنہائی میں اور سب کے سامنے) میں اس کے ساتھ رہنے لگے۔اس سے ہندوؤں کا مذاق اس کی طبیعت میں بہت آگیا۔

بیس سال جلوس میں اس نے کانسی کی ایک گائے بنوائی جس کے اندر سے ناقوس کی آواز نکلتی تھی۔

۲۵ سال جلوس میں اعلانیہ آفتاب اور آگ کو سجدہ کرنے لگا، کافروں کی محبت کا یہاں تک اثر ہوا کہ جنابِ رسالت مآب کے ناموں احمد، محمد، مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سننا اسے نہایت ناگوار گذرتا۔ جنابِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی بہت سی باتیں شروع ہوگئیں۔

(۹) **بدعہدی نمودی** :۔قنسرین کی فتح کے بعد حاکمِ قنسرین نے جزیہ دینا قبول کر لیا لیکن اس کے دل میں کھوٹ تھا۔مسلمانوں کے واپس ہوتے ہی اس نے ہرقل شہنشاہِ روم سے مدد کی درخواست کی۔مسلمانوں کو اس کا پتہ جب چلا جبکہ ہرقل کی طرف سے بھیجی ہوئی مدد شہر کے قریب پہنچ گئی۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو اس وقت فوج کے سپہ سالار تھے) نے حکم دیا کہ اس فوج کو حاکمِ قنسرین کی فوج سے ملنے سے پہلے کاٹ دیا جائے۔

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکم کی تعمیل پوری کی۔فوج میں سے دس جانبازوں کو ساتھ لیا اور ہرقل کی بھیجی ہوئی فوج کے راستہ میں جا کر چھپ گئے۔جب فوج آئی تو وہ بھی اس میں شامل ہوگئے اور قنسرین کی طرف چلنے گئے جب قریب پہنچے تو حاکمِ قنسرین استقبال کے لئے اپنی فوج سے اکیلا باہر آیا یہ دیکھتے ہی حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوج سمیت اس کی طرف گھوڑے دوڑائے جوں ہی وہ قریب آیا تو مسلمانوں نے اُسے پکڑ کر کھینچا اور گھوڑے سے نیچے اتار لیا۔

دونوں طرف غنیم (دشمن) کی فوجیں تھیں جب ان کو اس بات کا پتہ لگا کہ وہ طیش میں آگئیں مگر مسلمانوں نے بآواز بلند کہہ دیا کہ اگر دونوں لشکر میں سے کسی نے بھی کوئی حرکت کی تو حاکمِ قنسرین کا ہم خاتمہ کر دیں گے۔آخر کار بڑی حیل وحجت (بحث ومباحثہ) کے بعد یہ طے پایا کہ ایک مسلمان اور ایک رومی میدان میں نکلیں اگر رومی جیت جائے تو حاکمِ قنسرین کو چھوڑ دیا جائے اور اگر عرب غالب آجائے تو پھر مسلمانوں کی مرضی جو سلوک مناسب سمجھیں حاکم قنسرین کے ساتھ کریں۔یہ طے پا جانے کے بعد مسلمانوں میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان میں نکلے اور

رومیوں میں سے ایک مرد مقابلہ کے لئے آیا لیکن ایک آن میں مارا گیا۔اسی طرح یکے بعد دیگرے پانچ بہادر میدان میں آئے اور پانچوں کے پانچوں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے ۔اب عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھک چکے تھے اور واپس آنا چاہتے تھے کہ رومی سردار جبلہ بن ایہم گھوڑا دوڑا کر میدان میں آ گیا تو مجبوراً حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس پلٹنا پڑا مقابلہ ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شانہ زخمی ہو گیا مگر جبلہ بن ایہم کو بھی ایک کاری ضرب لگی اور وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچا اور واپس بھاگ گیا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے حاکمِ قنسرین کو قتل کر دیا اب تو دونوں فوجیں غصے میں آکر مسلمانوں کے اُن دس جانبازوں کی طرف بڑھیں۔

اس وقت مسلمانوں نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اُس حملہ میں زخمی ہو گئے تھے بیچ میں لے کر ایک حلقہ بنالیا اور رومیوں کی ٹڈی دل فوج کا مقابلہ اور دفاع کرنے لگے قریب تھا کہ یہ مٹھی بھر مجاہد شہید ہو جائیں گے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج لے کر موقع پر پہنچ گئے بڑا گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر رومی بھاگ کھڑے ہوئے اور میدانِ کارزار مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور حاکمِ قنسرین کو اپنی بدعہدی کی سزا مل گئی۔

ھارون رشید اور بلخی :۔ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ حضرت بلخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کرنی چاہیے چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا آپ ہی زاہدِ وقت ہیں؟ حضرت نے جواب دیا میں زاہد نہیں ہوں۔ ہارون بولے مجھے کچھ ہدایت کیجئے۔حضرت نے فرمایا عدل کر یہی سب سے پہلی چیز ہے جس کا سوال اللہ تجھ سے کرے گا اور اسے نہ بھول کہ خدا نے تجھے کس جگہ پر بٹھایا ہے یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھ چکے ہیں لہٰذا تیرا صدق ان ہی کے صدق کی طرح ہونا چاہیے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھ چکے ہیں لہٰذا حق و باطل میں تمیز کرنے کا وہی جذبہ تیرے اندر بھی ہونا چاہیے جو ان میں تھا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیٹھ چکے ہیں لہٰذا تجھ میں بھی وہی حسنات ہونے چاہیے جو ان میں تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی بیٹھ چکے ہیں لہٰذا تیرے اندر بھی وہی عدل کا ملکہ اور عمل کا لگاؤ ہونا چاہیے جو ان میں تھا۔

ہارون رشید کا کہنا ہے کہ حضرت بلخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان کلمات نے مجھے بہت نفع پہنچایا اور ان کی یہ باتیں میرے دل میں راسخ ہوگئیں۔

ھارون الرشید کا خاتمہ ایمان :۔خلیفہ ہارون الرشید طوس (خراسان کا ایک شہر) میں بستر علالت پر پڑا ہوا تھا موت اسے گھیرے ہوئے تھی اس نے اس مکان میں جس میں وہ ٹھہرا ہوا تھا اپنی قبر کھدوائی۔ جب قبر کھدگئی تو چند

محافظوں نے قبر میں اتر کر قرآنِ مجید کا ختم پاک کیا۔

ہارون الرشید نے کہا لوگو! گواہ رہنا کہ میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا سچے دل سے قائل ہوں اگر چہ میں ایک معصیت کا پیکر (گناہگار) ہوں جس نے تمام عمر غم غلط کرنے کی کوشش کی اور پھر بھی غم غلط نہ کر سکا۔ میں نے بے حد مغموم اور فکر کی زندگی گزاری ہے حکومت کے امور اور حکومت کی لعنتوں نے مجھے اکثر خدا اور مذہب سے غافل رکھا ہے خدا مجھے معاف کرے۔ مجھے زندگی کا کوئی ایسا دن یاد نہیں ہے جو میں نے بے فکری کے ساتھ گزارا ہو اب میں موت کے کنارے پر ہوں موت تم سے مجھے جدا کر دے گی اور یہ قبر جو منہ کھولے سامنے ہے میرے جسم کو نگل لے گی یہی ہر انسان کا مال ہے لیکن انسان اپنے مال سے میری طرح غافل رہتا ہے۔

اس کے بعد خلیفہ نے حکومت کے انتظامی معاملات کے متعلق کچھ مشورے دیئے لوگ اپنے خلیفہ پر نزع کا عالم اور وقت نزع کی کیفیت دیکھ کر لرز اُٹھے اور خلیفہ کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔

مامون کا عدل :۔ایک شخص خلیفہ مامون رشید کے پاس آیا اس کے ہاتھ میں ایک رقعہ تھا جس میں امیر المومنین یعنی خود مامون کے ظلم کی شکایت درج تھی۔ رقعہ پڑھ کر مامون نے کہا میں نے ظلم کیا ہے؟ وہ شخص بولا یا امیر المومنین کیا آپ کے سوا میں کسی اور سے مخاطب ہوں۔ مامون نے پوچھا اچھا تمہیں کیا شکایت ہے؟ وہ شخص کہنے لگا آپ کے وکیل سعید نے تیس ہزار درہم کے جواہرات مجھ سے خرید لئے مامون نے کہا خریدے سعید نے اور شکایت مجھ سے ہے؟ وہ گویا ہوا ہاں کیونکہ اس کے پاس آپ کی سندِ وکالت (ایجنٹی) ہے۔ مامون نے کہا ہو سکتا ہے یہ جواہر سعید نے خود اپنے لئے خریدے ہوں جس کی ذمہ داری خود اسی پر ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں نہ اس میں میری کوئی زیادتی ہے۔

وہ شخص کہنے لگا کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان نہیں ہے کہ مدعی کے ذمہ بارِ ثبوت ہے اور منکر کے ذمہ بارِ حلف ہے؟ مامون نے حکم دیا کہ قاضی یحییٰ بن اکثم کو بلاؤ قاضی صاحب تشریف لے آئے مامون نے ان سے کہا ہمارے قضیہ کا فیصلہ کیجئے قاضی صاحب دارالقضاء پہنچے اور بابِ عدالت باز کیا (عدالت کا دروازہ کھولا) پھر فریادی کو طلب کیا اور اس سے کہا تم کیا کہتے ہو؟ وہ بولا میری گذارش یہ ہے کہ مدعا علیہ یعنی امیر المومنین کو بھی حاضر کیا جائے۔

منادی نے خلیفہ کا نام لے کر پکارا اتنے میں مامون برآمد ہوا اس کے ساتھ اس کا غلام تھا جو مصلیٰ اُٹھائے ہوئے تھا مامون یحییٰ کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ یحییٰ نے کہا بیٹھئے۔ مامون نے مصلیٰ بچھایا تا کہ اس پر بیٹھے لیکن قاضی یحییٰ نے کہا یا امیر المومنین اپنے حریف کے مقابلہ میں کوئی امتیاز حاصل کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔

پھر قاضی صاحب نے دوسرا مصلیٰ بچھوایا تاکہ حریف بھی اس پر بیٹھ سکے۔ پھر دعویٰ سنا پھر مامون نے حلف رکھوایا مامون نے قسم کھالی اور مقدمہ کا فیصلہ ہوگیا اس کے بعد یحییٰ کھڑے ہوگئے مامون نے پوچھا آپ کیوں کھڑے ہوئے؟ فرمایا پہلے میں مسند قضاء پر بیٹھا تھا اب عدالت برخاست ہوچکی ہے اب مجھے حق نہیں کہ آپ پر امتیاز رکھوں۔

(۱۳)**سلطان صلاح الدین کا انصاف** :۔سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکایاتِ عدل میں وہ قضیہ بہت اہمیت رکھتا ہے جو اس کے اور ایک تاجر عمر الخلاطی کے مابین ہوا۔

اس واقعہ کو قاضی بہاؤالدین نے اپنی کتاب ''سیرۃ صلاح الدین'' میں یوں لکھا ہے

قدس شریف میں ایک روز میں مجلسِ عدالت میں بیٹھا تھا کہ شیخ حسن ایک مشہور تاجر جو عمر خلاطی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا آئے اور انہوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا میں نے پوچھا تمہارا حریف (مخالف،دشمن) کون ہے؟ کہنے لگے سلطان صلاح الدین! یہ بساطِ عدل ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ کسی کی رُو رعایت نہیں کرتے! میں نے دریافت کیا کس معاملہ میں تمہارا جھگڑا ہے؟ کہا میرا ایک غلام تھا اسی حالت میں انتقال ہوگیا اس کے پاس بہت سی دولت تھی جس کا وہ مالک تھا اس دولت کا اب میں مالک ہوں لیکن سلطان نے اس پر قبضہ کرلیا ہے اور میں یہی مطالبہ لے کر آیا ہوں۔

میں نے پوچھا مقدمہ پیش کرنے میں اتنی دیر کیوں کردی؟ بولے تاخیر سے حقوق باطل نہیں ہوجاتے یہ میرے پاس ثبوت موجود ہے کہ وہ مرتے وقت تک میرا غلام تھا۔

میں نے ثبوت کے کاغذات لے لئے اوران میں غلام کا حلیہ درج تھا اور یہ بھی کہ وہ فلاں تاجر سے،فلاں دن،فلاں مہینہ، فلاں سنہ میں اتنی قیمت پر خریدا گیا تھا۔اسی غلامی کی حالت میں فلاں سنہ میں وہ اس سے جدا ہوگیا لیکن کیوں اس کا ذکر کاغذات میں نہیں تھا میں نے اس آدمی سے کہا اس مقدمہ کی سماعت اُس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک مدعا علیہ بھی موجود نہ ہو۔

چنانچہ معاملہ سلطان سے رجوع کیا گیا اور ساری تحریری شہادت اسے پڑھ کر سنائی گئی اس نے جب یہ تاریخ سنی تو کہا یہ سب غلط ہے فلاں تاریخ کو میں مصر میں تھا اور وہ غلام میری ملکیت میں میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس تاریخ کو اور اس سنہ سے بہت پیشتر اُسے خریدا تھا اور وہ اس وقت تک میری مِلک میں رہا جب تک میں نے اُسے آزاد نہیں کردیا۔

پھر سلطان نے اعیان (امراءووزراء) واکابر (بڑے) علماء اور مجاہدین کو بطورِ گواہ پیش کیا سب نے سلطان کے دعویٰ کی تائید میں شہادت دی۔ یہ کاروائی دیکھ کر وہ آدمی بہت مغموم (غمزدہ) ہوا۔ میں نے سلطان سے کہا اس شخص نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف مراحِم (مہربانیاں) سلطانی حاصل کرنے کے لئے اس وقت آپ بھی موجود ہیں اور یہ بھی اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ یونہی ناکام ونامراد یہاں سے چلا جائے۔

سلطان نے کہا یہ دوسری بات ہے۔ پھر حکم دیا اس شخص کو خلعت (وہ لباس جو بادشاہ کی طرف سے بطور عزّت افزائی ملے) سے سرفراز کیا جائے اور اس کے لئے نفقہ مقرر کر دیا جائے۔

فائدہ :۔ اس واقعہ سے سلطان کی سیرت کے پہلو پر روشنی پڑتی ہے کہ ان میں تواضع اور انقیاء الی الحق کا کتنا جذبہ تھا اور مواخذہ کے موقع پر بھی ان کا کرم بے حساب کس طرح ابرِ رحمت بن جاتا تھا۔ (النوادر السلطانیہ)

(۱۴) **خدمتِ خلق** :۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ رات کے وقت گشت کر رہے تھے کہ ایک بدوی کو انتہائی بے چینی کی حالت میں دیکھا آپ کے دریافت کرنے پر بدوی نے بتلایا کہ اس کی بیوی کو بچہ پیدا ہونے والا ہے اور وہ سخت تکلیف میں ہے لیکن میرے پاس روپے نہیں کہ دایہ کا بندوبست کروں۔ یہ خبر سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر واپس تشریف لائے اور اپنی زوجہ محترم ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بدوی کی بیوی کی تیمارداری کے لئے ساتھ لے گئے چنانچہ وہاں پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بدوی سے باتیں کرنے لگ گئے اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اندر تشریف لے گئیں اور تھوڑی دیر بعد اندر سے آواز آئی کہ امیر المؤمنین اپنے دوست کو خوشخبری دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرزند عطا فرمایا ہے۔ بدوی امیر المؤمنین کا لفظ سن کر چونک پڑا مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے تسلی دی اور بعد میں بدوی کو انعام سے نوازا اور اس کے نومولود بچے کا روزینہ مقرر فرمادیا۔

فائدہ :۔ ویسے تو ہر سربراہِ سلطنت خدمتِ خلق کے لمبے چوڑے دعوے کرتا ہے لیکن عملی طور پر ڈبہ ہوتا ہے۔ ہاں عملی زندگی ہو تو فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل لیجئے کہ کیا سے کیا کر دکھلایا۔

(۱۵) **قاضی کی جرأت** :۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (یعقوب بن ابراہیم) عتبہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھٹی پشت میں سے تھے آپ کا شمار امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگردوں میں ہوتا ہے آپ بغداد میں قاضی القضاۃ تھے اور مہدی، ہادی اور ہارون کے زمانوں میں اسی عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ ایک بار خلیفہ وقت ہارون الرشید اور ایک یہودی کا مقدمہ آپ کی عدالت میں پیش ہوا۔ یہودی احتراماً خلیفہء وقت سے تھوڑا پیچھے کھڑا ہوگیا لیکن جب قاضی صاحب کی نظر پڑی تو فرمایا کہ تم خلیفہ کے شانہ بشانہ کھڑے ہو جاؤ میری عدالت میں شاہ و گدا برابر ہیں۔ ہارون قاضی صاحب کی اس جرأت اور بیباکی پر بہت خوش ہوا اور کہا کہ واقعی اس عہدے پر ایک موزوں ترین امام مقرر ہے۔

فائدہ :۔ ہمارے جج صاحبان یقین کر لیں کہ کل قیامت میں ہر ہر فیصلہ کا احتساب ہوگا اگر قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح ڈائری ہے تو مبارک ورنہ ابھی جہنم کے لئے تیار رہو۔ ہاں سربراہوں کو کیفیتِ ہارون الرشید مدِ نظر ہو کہ

کس طرح خودکوایک ماتحت جج کے سامنے قانون کا پابند بنایا۔

(۱۶)**بڑھیا کی فریاد** :۔سلطان ملک شاہ سلجوقیوں میں نہایت عادل بادشاہ گذرا ہے۔اُس کی عدل گستری کے بیشتر واقعات تاریخِ اسلام کے زریں باب ہیں۔ایک دفعہ اس کی فوج کے سپاہیوں نے ایک غریب بڑھیا کی گائے کھالی۔غریب بڑھیا نے اس زیادتی کے خلاف کافی فریاد کی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی اور نہ ہی اس کی آواز کو بادشاہ تک پہنچنے دیا گیا۔بڑھیا اس صورتِ حال سے بہت نالاں تھی چنانچہ بادشاہ ایک مرتبہ اپنے مصاحبوں کے ہمراہ شکار کے لئے نکلا تو بڑھیا نے بادشاہ تک رسائی حاصل کرنے لئے یہ موقعہ غنیمت جانا اور زندہ رود (اصفہان کی مشہور نہر) کے پل پر بادشاہ کے راستے میں جا کھڑی ہوئی۔بادشاہ کے محافظ دستہ نے اسے ہٹانے کی بہتیری کوشش کی مگر بڑھیا اپنی جگہ سے نہ ہلی۔جب بادشاہ کی سواری بڑھیا کے قریب پہنچی تو اس نے لگام پکڑ کر بادشاہ سے کہا کہ میرا انصاف اس پل پر کریگا یا پل صراط پر ہوگا۔جب بادشاہ نے سارا ماجرا سنا تو لرز گیا اور بڑھیا کو ایک کے بدلے ستر گائیں دے کر راضی کیا۔

فائدہ :۔جنہیں یقین ہے کہ واقعی پل صراط سے گذرنا ہے اس نے اس سے نجات کی تدبیر کرنی ہی کرنی ہے اور جس شوم بخت کا تصور ہی پلصراط کو قبول نہیں کرتا وہ کب اس سے بچنے کی تدبیر کریگا۔

(۱۷)**عدل سلطان احمد شاہ والیٔ دکن** :۔آپ کے داماد نے ایک دفعہ ایک شخص کو ناحق قتل کر دیا۔جب مقدمہ قاضی کے پاس پہنچا تو قاضی نے مقتول کے ورثاء کو خون بہا دلوا کر مطمئن کر دیا اور فیصلہ کی مثل بادشاہ کے پاس بھیج دی لیکن بادشاہ نے قاضی کے اس فیصلہ کو کمزور قرار دیا اور اسے رد کرتے ہوئے ملزم کو پھانسی کی سزا دی تا کہ لوگوں کو عبرت ہو اور امیر لوگ محض خون بہا ادا کر کے ہی لوگوں کی گردنیں نہ مارتے رہیں۔

(۱۸)**بے مثال عدلِ شاہی** :۔شیر شاہ سوری ہندوستان کا ایک بلند پایہ فرمانروا تھا اس کے بیٹے عادل خاں نے ایک ہندو بقال کی عورت (جب کہ وہ غسل کر رہی تھی) پر پان پھینکا بقال نے بادشاۂ وقت سے فریاد کی۔بادشاہ نے مقدمہ سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ جس طرح میرے بیٹے (عادل خاں) نے ہاتھی پر سوار بقال کی بیوی پر نہاتے ہوئے پان پھینکا ہے اب بقال اسی طرح ہاتھی پر سوار ہو کر میری بہو (عادل خاں کی بیوی) پر نہاتے وقت پان پھینکے۔بادشاہ کا فیصلہ سننے بعد تمام درباریوں نے شہزادے کی صفائی کے لئے سفارش کی مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے اپنا فیصلہ کر دیا ہے اب اگر بقال چاہے تو معاف کر دے میں معاف نہیں کر سکتا۔چنانچہ بعد میں بقال نے حاضرین دربار کی سفارش اور شہزادے کی ندامت پر اسے معاف کر دیا تب شہزادے کی جان چھوٹی۔

الفقیر القادری محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

☆☆☆☆☆☆